Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:5 (1975)

فرضیتِ زکوٰۃ کے لئے سرمائے کی تعریف

رفیع اللہ شہاب

مسئلہ اہم ہے لیکن بحث تشنہ اور نا تمام ہے۔ صاحبِ مضمون نے خود اہلِ علم کو دعوت دی ہے۔ ہماری طرف سے بھی صلائے عام ہے۔ (ایڈیٹر)

ایک پرانے رفیق نے جن کا اسلامی مشاورتی کونسل کے ایک رکن سے قریبی تعلق ہے زکوٰۃ کے بارے میں راقم سے ایک اہم سوال کیا۔ سوال کی تفصیلات سننے کے بعد راقم نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید یہ مسئلہ مشاورتی کونسل میں زیرِ بحث ہے یا زیرِ بحث آنے والا ہے۔ اس لئے راقم نے حتی المقدور اس بارے میں پورا تحقیقی مواد سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

سوال یہ تھا کہ کس قسم کے سرمائے پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ راقم نے مختصراً جواب دیا کہ نصاب پورا ہونے پر ہر قسم کے سرمائے پر۔ اس پر انہوں نے تفصیلاً بیان کیا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس زمین، مکان یا کارخانے کی صورت میں جو سرمایہ ہے اور جو نقد سرمائے کی ہی بدلی ہوئی شکل ہے علمائے کرام اُسے زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے انہوں نے تین مثالیں بیان کیں۔

پہلی یہ کہ ایک شخص کے پاس پچاس ہزار روپیہ نقد ہے۔ یہ روپیہ اگر زرِ نقد کی صورت میں رہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ شخص اپنے اس نقد سرمائے کے عوض کوئی رہائشی پلاٹ خرید لے تو پھر اسے زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے نقد سرمائے کی تبدیلِ شکل سے نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ کی کافی رقم بچا لیتا ہے بلکہ کچھ عرصے بعد اس زمین کو کئی گنا قیمت پر فروخت کر کے کافی نفع کما لیتا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ پچھلے تین چار سالوں میں ایسے رہائشی قطعات کی قیمت تین چار گنا بڑھ چکی ہے۔

گویا ایسا سرمایہ دار زکوٰۃ کی رقم بچا لینے کے علاوہ بغیر کسی محنت کے اپنے پچاس ہزار کے لاکھ، ڈیڑھ لاکھ بنالیتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ کام کسی محدود پیمانے پر نہیں ہو رہا بلکہ لاکھوں آدمی جن کے پاس فاضل سرمایہ ہوتا ہے ایسی سرمایہ کاری کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ کی رقم بچا کر اپنے نقد سرمائے کی محض فوری تبدیلی سے لاکھوں روپے کما لیتے ہیں بلکہ وہ اس طرح رہائشی قطعات کے نرخ بڑھانے کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے رہائشی قطعات کے اصل ضرورتمند اپنی ناداری کی وجہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اگر اس مسئلہ کو ذرا زیادہ گہرائی میں دیکھا جائے تو ایسے حضرات ایک قسم کے سماجی جرم کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔

دوسری مثال بھی اس سے ملتی جلتی ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ نقد موجود ہے جس پر اُسے ہر سال ڈھائی ہزار روپے زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہے لیکن موجودہ دور میں جبکہ روپے کی قیمت دن بدن گرتی چلی جاتی ہے شاید ہی کوئی شخص اتنی بڑی رقم نقدی کی شکل میں رکھے۔ چنانچہ اس رقم سے مکان خرید کر یا بنوا کر اسے کرایہ پر دے دیا جاتا ہے۔ آج کل ایک متوسط قسم کے مکان کا جس کی مالیت ایک لاکھ کے لگ بھگ ہو، چار پانچ سو ماہوار کرایہ مل جاتا ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں محض اپنے سرمائے کی شکل تبدیل کر کے یہ شخص نہ صرف ڈھائی ہزار روپیہ کی زکوٰۃ بچا لیتا ہے بلکہ اُلٹا پانچ چھ ہزار روپیہ کرایہ کی صورت میں مزید حاصل کر لیتا ہے۔ اس مثال کا اطلاق مکانوں کے علاوہ ٹرکوں، بسوں، ٹیکسیوں اور دوسری تمام ایسی چیزوں پر ہو سکتا ہے جن میں ایک آدمی کوئی محنت کئے بغیر محض سرمایہ کی شکل کی تبدیلی سے نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے بچ جاتا ہے بلکہ مکانوں کے کرایوں سے بھی زیادہ نفع کما لیتا ہے۔

تیسری مثال میں صاحب سرمایہ اپنی ایک لاکھ کی نقد رقم کو زرعی زمین کی شکل کے سرمائے میں تبدیل کر لیتا ہے۔ وہ ایک طرف تو اڑھائی ہزار روپے سالانہ کی زکوٰۃ سے بچ جاتا ہے دوسری طرف اس اراضی کو جو ایک دو مربع پر مشتمل ہوتی ہے بٹائی سسٹم کے تحت کسی مزارع کے حوالے کر دیتا ہے اور سال کے بعد اس سے اس زرعی زمین کی پیداوار کا نصف حصہ بھی وصول کر لیتا ہے۔ جو کم از کم پانچ ہزار اور دس ہزار روپے کے درمیان ہوتا ہے۔

اگر علمِ معاشیات کی طرف دیکھا جائے تو اس کی رو سے سرمایہ کی مذکورہ بالا بدلی ہوئی صورتیں بھی سرمایہ ہی قرار پاتی ہیں۔ اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض ہونی چاہیئے[1] لیکن چونکہ ہمارے علمائے کرام معاشیات کی اس اصطلاح پر غور نہیں فرماتے اس لئے سرمایہ دار حضرات ان سے اپنے مفید مطلب فتاویٰ حاصل کر لیتے ہیں[2]۔ میرے رفیق محترم نے بتایا کہ جب بعض علمائے کرام سے اس بارے میں رجوع کیا گیا تو انہوں نے بھی سرمایہ کی ان بدلی ہوئی شکلوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دینے کی تصدیق کر دی اور ان حضرات کی جانب سے جو جوابات موصول ہوئے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ خود ان کے الفاظ میں کچھ یوں تھے:۔

"کارخانوں اور فیکٹریوں کی مشینری یا عالی شان عمارتوں پر مولوی صاحبان جو زکوٰۃ کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی واضح و اصولی ہدایات ہیں پیغمبرؐ کا ارشادِ گرامی ہے۔ بوجھ لادنے والے اونٹوں پر، زمین میں ہل چلانے والے بیلوں پر زکوٰۃ نہیں ہے اسی طرح آب کشی، آبپاشی کرنے والے اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہے (بحوالہ فتح القدیر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک شخص اپنے کاروبار میں جن عوامل پیداوار سے خواہ جانور ہوں، خواہ آلات و اوزار، خواہ مشین کام لیتا ہے ان پر زکوٰۃ نہیں۔"

(ماہنامہ "بینات" کراچی ربیع الاوّل ۱۳۸۶ ہجری صفحہ ۵۷)

ان تفصیلات کو بیان کرنے کے بعد رفیق محترم کا سوال یہ تھا کہ ہمارے ملک میں سرمایہ کی بدلی ہوئی یہ شکلیں لاکھوں کی تعداد میں ہیں جن کی مجموعی قیمت اربوں روپے بنتی ہے۔ اب اگر علمِ معاشیات کے اصولوں کے مطابق نقد سرمایہ کی ان بدلی ہوئی شکلوں کو بھی سرمایہ شمار کیا جائے اور ان پر زکوٰۃ عائد کی جائے تو کروڑوں نہیں بلکہ اربوں روپے زکوٰۃ وصول ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر ان تمام صورتوں کو جیسا کہ

---

[1] یہ استدلال اور استنتاج بڑا عجیب ہے۔ زکوٰۃ ہمارا ایک دینی فریضہ اور اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے۔ اس سے متعلق کسی مسئلے پر بحث و نظر میں کتاب و سنت، فقہ اور اسلامی تاریخ کو بنیاد بنانا چاہیئے نہ کہ علمِ معاشیات کو۔ (ایڈیٹر)

[2] کیا یہ درست ہے؟ خود مضمون نگار نے اگلے پیرے میں علماء کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اس کی تردید کرتے ہیں (ایڈیٹر)

سرمایہ دار حضرات دعوے کرتے ہیں تو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو پھر اسلامی نظام اتنی بڑی رقم سے محروم ہو جاتا ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ ہر صاحبِ سرمایہ اس گنجائش سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اس صورت حال کے ہوتے ہوئے وہ نظام زکوٰۃ کس طرح قائم ہو گا جس سے ہم معاشرہ کا زمین و آسمان بدلنے کا دعوے کرتے رہتے ہیں۔

سوال واقعی اہم اور ہمارے علمائے کرام کے گہرے غور و فکر کا متقاضی ہے۔ راقم نے اپنی علمی حیثیت کے مطابق اس بارے میں مواد جمع کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش کی ہے۔ یہ مواد ایک مضمون کی صورت میں نذرِ ناظرین ہے۔ اگر اس میں کوئی خامی ہو تو اہلِ علم اس کی نشاندہی فرمائیں۔

سنّتِ نبویؐ کا حوالہ

سرمایہ کی ان بدلی ہوئی شکلوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے سنّتِ نبویؐ کا حوالہ دیا گیا ہے اور تائید میں یہ حدیث پیش کی گئی ہے کہ بوجھ لادنے والے اونٹوں اور زمین میں ہل چلانے والے بیلوں پر زکوٰۃ نہیں۔ تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں:۔

وَلَيْسَ فِي الْحَوَامِلِ وَالْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ۔

(ترجمہ) حمل و نقل اور کام کرنے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں۔

حنفی فقہ کے مشہور ماہر اسماء الرجال علّامہ زیلعی جنہوں نے ہدایہ کی تمام احادیث کی صحت و ضعف پر بحث کی ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کے بارے میں یہ فیصلہ دیتے ہیں:۔

قُلْتُ غَرِيبٌ بِهٰذَا اللَّفْظِ

(ترجمہ) میں نے کہا ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث غریب ہے۔

(نصب الرایۃ للامام الزیلعی مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۶۰)

اس کے بعد علامہ زیلعی نے اس حدیث کے بعض راویوں پر کلام کیا ہے۔ اور اس حدیث کو کمزور ثابت کیا ہے۔

امام مالکؒ کو اس حدیث کی خبر تک نہ تھی

یہ تو تھی اس حدیث کے بارے میں حنفی ائمہ کی تحقیق۔ اس کی کمزوری کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امام مالک جو امامِ مدینہ کے نام سے مشہور تھے ان کو اس حدیث کی خبر تک نہ تھی۔ اس لئے ان کا

مسلک اس کے بالکل الٹ ہے ان کے نزدیک چرنے والے اونٹوں اور عاملہ یعنی کام کرنے والے اونٹوں میں سرے سے کوئی تفریق نہیں اور ان کے نزدیک سب پر یکساں زکوٰۃ واجب ہے۔ ان کا مسلک ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

(المالكية) قالوا لا يشترط في وجوب الزكوٰة النعم السوم. فتجبُ الزكوٰة فيها متىٰ بَلَغَتْ نصاباً سواءً كانت سائمة أم معلوفة و لو في جميع السنة كانت عاملة او غير عاملة۔

(ترجمہ) مالکیہ کے نزدیک جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہونے کے لئے چراگاہوں میں چرنے کی شرط نہیں۔ چاہے انہیں سارا سال گھر باندھ کر کھلایا جائے یا چراگاہوں میں چرایا جائے اور چاہے عاملہ (جن سے کام لیا جائے) ہوں یا غیر عاملہ ہوں۔ ان سب پر زکوٰۃ واجب ہے جب ان کا نصاب پورا ہو جائے۔

(الفقہ علی المذاهب الاربعۃ مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۴۷۷)

خیال رہے کہ امام مالک جو فقہی فیصلہ کرتے تھے اس پر مدینۃ النبی کے کم از کم ستر علماء کا اتفاق ہوتا تھا[1]۔ اور ان کی اکثریت تابعین پر مشتمل تھی۔ اگر اس حدیث کا کوئی وجود ہوتا تو مدینۃ النبی کے علماء کی اتنی بڑی جماعت اس سے بے خبر نہ رہ سکتی تھی۔

حدیث سے غلط استدلال

یہ تو ہوئی اس حدیث کی صحت کی بحث، ہمارے نزدیک سرے سے اس بارے میں اس حدیث سے استدلال ہی نہیں کیا جا سکتا۔ خود حنفی ائمہ نے سرمایہ کی شکل کی تبدیلی کے سلسلے میں اس سے استدلال نہیں کیا ہے انہوں نے جو فتاویٰ جاری کئے ان کے مطابق سرمایہ کی شکل کی تبدیلی کے باوجود اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ حنفی فقہ میں امام محمد شیبانی کا جو مقام ہے اس سے کون اہلِ علم ناواقف ہے۔ وہ اس کے تین ستونوں میں سے ایک شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے اس بارے میں یہ فتویٰ دیا:

رَجُلٌ دَفَعَ لِرَجُلٍ مالاً مضاربةً . فاشترى بِبَعْضِهِ طعاماً و بِمَا بَقِيَ مِنْهُ

---

[1] ضروری نہیں۔ دیکھئے کتاب الاُم اختلاف مالک (ایڈیٹر)

حمولة للطعام ولا ينوي شيئاً أو اشترى ببعضه رقيقاً و بما بقي طعاماً لهم وكسوة فحال الحول فعلى رب المال زكوٰة راس ماله وحصة من الربح"۔

(الجامع الکبیر الامام محمد بن الحسن الشیبانی مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱)

(ترجمہ) ایک شخص نے دوسرے شخص کو مضاربت پر کام کرنے کے لئے سرمایہ مہیا کیا۔ اس نے اس سرمائے کے کچھ حصے سے غلہ خریدا اور کچھ حصے سے اس غلہ کے حمل ونقل کے لئے جانور خریدے اور اس نے کوئی نیت نہیں کی۔ یا اس نے کچھ مال سے غلام خریدے اور کچھ مال سے ان کے کھانے پینے کا سامان اور پہننے کے کپڑے۔ سال گزرنے پر صاحب سرمایہ کو اپنے اصل سرمائے اور اس سے حاصل شدہ منافع دونوں پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

یعنی سرمایہ کی بدلی ہوئی شکل کو بھی امام محمد نے نقد سرمایہ ہی شمار کیا۔[1]

اس کے برعکس ہمارے علمار مذکورہ بالا حدیث سے غلط استدلال کے ذریعے اصل سرمائے پر تو زکوٰۃ معاف کر دیتے ہیں اور صرف منافع پر اسے عائد کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

ان تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی کہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سرمایہ کی بدلی ہوئی شکلوں مثلاً رہائشی قطعات، عمارتوں، بسوں، ٹرکوں اور زرعی اراضی کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے وہ حدیث خود حنفی ائمہ کے نزدیک کمزور ہے۔ اور مدینۃ النبی جو احادیثِ نبویہ کا منبع تھا وہاں کے علمار کی بہت بڑی جماعت کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ لطف یہ ہے کہ خود حنفی ائمہ نے اس بارے میں اس حدیث سے سرے سے استدلال ہی نہیں فرمایا بلکہ ان کے نزدیک سرمایہ کی ہر بدلی ہوئی شکل پر نقد سرمایہ کی طرح زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

زرعی اراضی کی خرید

جہاں تک تیسری مثال یعنی زرعی اراضی کا تعلق ہے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسری قسم کے واضح احکامات موجود ہیں، جن کی رو سے کوئی غیر کاشت کار ان اراضی کو سرے سے خرید ہی نہیں سکتا۔ یہ صرف اس کا حق ہے

---

[1] استدلال صحیح نہیں ہے یہ تو مالِ تجارت پر زکوٰۃ کا مسئلہ ہے۔ موضوع زیر بحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں (ایڈیٹر)

جو اس میں خود کاشت کاری کر سکے۔ مدینۃ النبی میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد بہت سے صحابہ کرام کے پاس اپنی کاشت سے فاضل زرعی زمینیں تھیں۔ جسے دوسرے کاشت کاروں کو بٹائی پر دے دیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ معاملہ سودی کاروبار کی ایک شکل تھا۔ اس لئے سود کی حرمت کے بعد حضور صلعم نے اس معاملے کو سود قرار دیتے ہوئے اس سے منع فرما دیا۔ اور منع بھی کوئی معمولی الفاظ میں نہیں بلکہ نہایت ہی سخت لہجے میں ملاحظہ فرمائیے:۔

عن جابر بن عبداللہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من لم یذر المخابرۃ فلیاذن بحرب من اللہ و رسولہ

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بٹائی چھوڑنے پر تیار نہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو جائے۔

(سنن ابوداؤد جلد ۳ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر صفحہ ۲۵۷)

اور اسی سنن ابوداؤد میں حضرت رافع بن خدیج کی ایک روایت ہے جس میں حضور صلعم نے بٹائی کے اس معاملے کو سود قرار دیا ہے:۔

اس وقت بہت سے صحابہ کرام کے پاس فاضل زمینیں تھیں جب حضور صلعم نے دوسرے کاشت کاروں کو بٹائی پر دینے سے منع کر دیا تو ان صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ اپنی زائد اراضی کو فروخت کر دیں۔ رسول اکرم ؐ نے اسے بیچنے سے بھی منع فرما دیا اور ترغیب دی کہ غریب بھائیوں کو مفت دے دیں۔

ارشادِ نبوی ملاحظہ ہو:۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ کَانَ لَہٗ اَرضٌ فَلْیَزْرَعْھَا اَوْ لِیَمْنَحْھَا اَخَاہُ۔ فَاِنْ اَبیٰ فَلْیُمْسِکْ اَرْضَہٗ

(ترجمہ) آپؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس (فاضل) زمین ہو وہ یا تو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بخش دے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کرے تو پھر اپنی

زمین کو روک رکھے"۔

(نیل الاوطار تالیف علامہ شوکانی مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۲۹۵)

صحابۂ کرام نے اس بارے میں بار بار آپؐ کی رائے دریافت کی اور آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ آپؐ نے بیچنے کی مطلق اجازت نہ دی اور اظہار ناراضگی کے طور پر فرمایا کہ وہ اپنی زمین کو روک رکھے اور پھر جن لوگوں نے زمین روک رکھی ان کے بارے میں یہ فیصلہ سُنا دیا کہ جو شخص تین سال تک زمین کو کاشت کئے بغیر چھوڑے رکھے گا اس کے حقوقِ ملکیت خود بخود ختم ہو جائیں گے اور کوئی دوسرا ضرورت مند اس سے فائدہ اُٹھا سکے گا۔ (ملاحظہ ہو کتاب الاموال لابی عبید مطبوعہ مصر صفحہ ۲۹۰)

چنانچہ ان شرعی احکام کی روشنی میں فاضل سرمائے سے زرعی اراضی تو سرے سے خریدی ہی نہیں جاسکتی۔ ہاں دوسری چیزیں جن کا ذکر مثال نمبر ایک اور دو میں کیا گیا ہے وہ خریدی تو جاسکتی ہیں لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے وہ بھی نقد سرمایہ شمار ہوں گی جیسا کہ معاشیات کا مسلّمہ اصول ہے۔ اور جس کی تائید کے لئے ہم نے شریعتِ اسلامی سے صفحاتِ گزشتہ میں حوالے پیش کئے ہیں۔